ڈاکٹر نبیل احمد نبیل
اسسٹنٹ پروفیسر، یونیورسٹی اوف ایجوکیشن، لاہورر

عارف عبدالمتین کی اُردو غزل کے ترقی پسندانہ

Arif Abdul Mateen is a progressive bard whose Ghazal (lyrical poetry) 60 tinged with aesthetic values ,is a fine amalgamation of subjectivity and objectivity .Moreover,it is reflective of social realism. His poetry is based on his enviable educational and artistic access and his profound thoughts and vision. After the partition (1947) if we discuss the renowned poets of the era, the names of Faiz Ahmed Faiz, Zaheer Kashmiri, Sahir Ludhianivi, Ahmed Nadeem Qasmi and Arif Abdul Mateen appear on the canvas of mind. He derived all the metaphors and symbols from the progressive movement and aged them critically in his poetry. Ideologically, he remained associated with progressive till his last breath. His poetry reflects the sense of deprivation prevailed in the lives of the proletariat class. He raised a strong agitating voice against the exploitation of the power oriented bourgeoisie.

عارف عبدالمتین نے اپنے شعری سفر کا آغاز امرتسر (بھارت) سے کیا۔ اُن کی شاعری پر آغازِ سفر میں گورنمنٹ کالج امرتسر کے اساتذہ اختر حسین رائے پوری، ایم ڈی تاثیر اور فیض احمد فیض کا رنگ نظر آتا ہے۔ مذکورہ اساتذہ انجمن ترقی پسند مصنفین سے وابستہ تھے، عارف عبدالمتین اپنے مذکورہ اساتذہ سے متاثر ہوئے اور ترقی پسند تحریک سے وابستگی اختیار کی۔ انھوں نے اختر حسین رائے پوری کے زیرِ اثر ترقی پسند نظریات سے گہرے اثرات قبول کیے۔ اس ضمن میں عارف عبدالمتین اپنے انٹرویو میں کہتے ہیں:

> ''تحریکی اثرات میں نے ''انجمن ترقی پسند مصنفین'' اور ''حلقہ اربابِ ذوق'' سے قبول کیے، شخصی فیوض اپنے اساتذہ علامہ محمد عبداللہ فلسفی، خواجہ صادق حسن، مولانا غلام ربانی، ڈاکٹر ایم ضیاالدین، فیض احمد فیض، ایم ڈی تاثیر، اختر حسین رائے پوری، پروفیسر کرامت حسین جعفری اور پروفیسر ڈاکٹر دلاور حسین سے حاصل کیے'' (۱)

عارف عبدالمتین کی شاعری کے آغاز کے دور میں ''انجمن ترقی پسند مصنفین'' بہ طور ایک تحریک کے اپنے عروج پر تھی۔ ترقی پسند تحریک اور ترقی پسند افکار و نظریات نے اُردد شاعری پر اپنے دُور رس اثرات مرتب کرنا شروع کر دیے تھے۔ عارف عبدالمتین کی شاعری کے اولین دور میں انجمن ترقی پسند مصنفین کے متوازی ''حلقہ اربابِ ذوق'' کا قیام عمل

میں آ چکا تھا۔اس پلیٹ فارم نے بھی اکثر شعرا کے نظریات ،مزاج اور رویوں کو متاثر کیا ۔ اُردو ادب کی ان دو بڑی تحریکوں نے شاعری ،افسانہ، ناول ایسی اہم اصناف کوفکری وفنی اعتبار سے بڑی حد تک متاثر کیا ۔اپنے عہد کی مذکورہ تحریکوں سے شعراو ادبا بڑی حد تک اثرات قبول کیے بغیر نہ رہ سکے۔

عارف عبدالمتین اگرچہ''حلقہ اربابِ ذوق'' سے بھی منسلک رہے ،لیکن ان کے افکار ونظریات پر''انجمن ترقی پسند مصنفین'' گہرے اثرات دیکھنے کو ملتے ہیں ۔ وہ تقسیم کے بعد لاہور آ گئے اور انجمن ترقی پسند مصنفین،لاہور سے وابستگی اختیار کی۔ترقی پسند مصنفین سے تعلقِ خاطر کے ضمن میں اپنے شعری مجموعے'' سفر کی عطا'' کے انتساب عارف عبدالمتین لکھتے ہیں:

''فیض احمد فیض اور ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری کے نام جن کی عظمتوں کے نقوش میرے دل و دماغ کا قیمتی اثاثہ ہیں''(۲)

عارف عبدالمتین نے اپنے شعری مجموعے'' سفر کی عطا'' کا انتساب دو بڑے ترقی پسند ادیبوں کے نام کیا ہے۔اس سے ان کے ترقی پسند افکار ونظریات اور ذہنی وفکری وابستگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کس قدر ترقی پسند تحریک کے حامی اور پیروکار تھے۔ اختر حسین رائے پوری سے متاثر ہونے کے کارن عارف عبدالمتین کے افکار ونظریات میں ترقی پسندانہ رجحانات نے راہ پائی ،ترقی پسند تحریک نے اُن کے ذہن وفکر اور غزل کو ایک نئی جہت،نیا اندازِ نظر،نیا رُ جحان اور رویہ عطا کیا۔اس سیاق میں عارف عبدالمتین اپنے اُردو مضامین کے مجموعے''امکانات'' کے انتساب میں لکھتے ہیں:

''ترقی پسند تحریک کے نام..........جس نے زندگی اورفن کے متعلق میرے نظریات کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا''(۳)

محولہ بالا اقتباسات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عارف عبدالمتین اپنے ترقی پسندانہ افکار ونظریات کا اعلان خود کر رہے ہیں۔ ان کی غزلوں میں ترقی پسند موضوعات، ان کی فکری ونظریاتی بالغ نظری کا بین ثبوت ہیں۔ انھوں نے اپنے معاشرے کے مصائب و مسائل کوغزل کے اشعار میں فنی پختگی ساتھ تخلیق کا پیراہن عطا کیا ہے،وہ''ادب برائے زندگی'' کے قائل ہیں ۔ان کی شاعری خارجی زندگی کے آشوب اور پرولتاری طبقے کی حقیقی صورتِ حال کی نمایندہ وترجمان ہے۔ عارف عبدالمتین ایک باکمال ترقی پسند شاعر ہیں۔ ان کی غزلوں میں انسانی حیات اورصورتِ حال کے تلخ تجربات تخلیقی پیرائے میں جلوہ گر ہوئے ہیں۔ ان کی بیشتر غزلیں سیاسی ،سماجی اور جمالیاتی موضوعات کی غمازی کرتی ہیں۔ انھوں نے خارجی موضوعات کے ساتھ ساتھ داخلی موضوعات کوبھی اپنے کلام میں تخلیق کیا ہے،یہی وجہ سے ان کا کلام اثر آفریں اور متاثر کن ہے مگر ان کی شاعری میں انسانی سماجی صورتِ حال کا تخلیقی بیانیہ خارجی حقائق کے مختلف عناصر و مظاہر کے طور سے اپنی پوری قوت کے ساتھ جلوہ گر ہوا ہے۔اس حوالے سے شمشاد راجہ رقم طراز ہیں:

''دراصل عارف اپنی جذباتی ساخت اور مزاج کے اعتبار سے داخلیت پسند ہے ،لیکن ابتدا میں وہ جن فکری اور ذہنی رجحانات کا تاثر قبول کر چکا تھا۔وہ تاثر اس کی شخصیت میں کچھ اس طرح رچ بس گیا تھا کہ وہ اپنی

افتادِطبع کے مطابق فنی صلاحیتوں سے کام نہ لے سکا تھا لیکن بعد میں خارجی دباؤ کے تحت اسے اپنی ذات کے اندر جھانکنے پر مجبور ہونا پڑا''(۴)

عارف عبدالمتین'' انجمن ترقی پسند مصنفین'' کے رکن اور لاہور شاخ کے سرگرم تخلیق کار کے طور سے نمایاں اہمیت کے حامل ہیں ۔تحریک سے ان کی وابستگی تا عمر رہی وہ عملی طور پر بھی اور نظریاتی طور پر بھی ترقی پسند تھے۔ اس سیاق و تناظر میں عارف عبدالمتین کے چند اشعار ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں:

صلیبِ غم مجھے منظور ہے نگارِ چمن
گلِ نشاط تو مہکیں گے تیرے دامن میں

ہم مشعلِ خورشید ہیں قندیلِ قمر ہیں
جلتے ہیں شب و روز مگر دہرِ نگر ہیں

تم دربار کے پروردہ ہو ہم پیکار کے رسیا ہیں
تم کیا جانو سر کٹوانا ، ہم کیا جانیں سر کا خم

زہر کو امرت لکھ نہ سکیں گے ، ہاتھ قلم ہر چند کرو
اپنا فن ہے حسن صداقت ،فن کی امانت اپنا قلم

افکار ہمارے سرِ گلزار رہیں گے
تن اپنے قفس میں ترے صیاد رہیں گے

عارف عبدالمتین کے ہاں داخلیت بھی خارجیت کا عکس لیے ہوئے ہے۔ ان کی داخلیت انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی فائدے کی صورت میں نظر آتی ہے۔اُن کے یہاں داخلی جمالیاتی عناصر بھی خارجی زندگی کی صورتِ حال سے ہی تعبیر و عبارت ہیں، پسند بھی ہیں چوں کہ اُن کا دل پرولتاری طبقے کے ساتھ دھڑکتا ہے ،اسی لیے ان کے کلام میں خارجی زندگی کی زیادہ عکاسی ہوئی ہے۔ ان کے اشعار میں'' گلِ نشاط تو مہکیں گے'' عزم و حوصلہ نمایاں تو ہو گا۔عارف عبدالمتین کی غزلوں میں حقیقت نگاری کا حسن قابلِ دید ہے،وہ اپنے سماج کے دردو کرب اور مسائل و مشکلات کو اپنے اشعار میں سادگی کے ساتھ سمو لینے پر قُدرت رکھتے ہیں ۔ملکی حالات خواہ کیسے بھی ہوں ،ظلم کی رات خواہ کتنی ہی تاریک کیوں نہ ہو ،انسانی ہمت اور کد و کاوش سے حالات کو تبدیل کیا جا سکتا ہے،عارف عبدالمتین اس فکر کے ساتھ رشتہ مستحکم کیے ہوئے ہیں کہ طلوعِ سحر بہر طور ہو کر رہے گی مگر اس کے پرولتاری طبقے کو جد و جہد سے کام لینا ہو گا۔ ان کے اشعار میں نا مساعی

حالات سے نبرد آزمائی کا حوصلہ بھی ہے اور نئے سرے سے جدوجہد کرنے کا پیام بھی ہے۔ ان کی شاعری میں خارجی زندگی کی عکاسی کے ساتھ ساتھ تغزل، گداز اور داخلیت کا رنگ بھی عدیم النظر ہے۔ان کی غزل کے ایمائی پہلو ان کی شاعرانہ ہنرمندی کا منہ بولتا ثبوت ہیں،وہ شعر کوشعر بنانے کے ہنر پر قدرت رکھتے ہیں۔ عارف عبدالمتین درحقیقت غیر طبقاتی سماج کی تشکیلِ نو کے قائل ہیں مگر ان کے یہاں سرمایہ دارانہ جکڑ بند کے خلاف احتجاج کی لے بھی پوری قوت کے تیز تر ہوتی ہوئی محسوس کی جا سکتی ہے۔وہ اپنے افکار ونظریات کے ذریعے دنیا کے مکروہ چہرے کو بدلنے پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ان کی شاعری کے اس سیاق و تناظر کو کامل القادری اس انداز سے واضح کرتے ہیں:

> ''عارف کی شخصیت اور شاعرانہ یافت میں حسن اعتدال کا سونا چمکتا ہے۔ اسی سلیقے سے وہ غیر طبقاتی سماج کی تشکیل کے خواب اور طبقاتی سماج کے شدائد سے نباہ کیے جا رہا ہے۔ وہ افادی ادب کا قائل ہے اور شاعری کو بھی حصول مقاصد کا ایک کارآمد حربہ سمجھتا ہے۔ لہٰذا اس کی آرزومندی نو بہ نو پیرہن میں جلوہ نما ہوتی ہے۔ وہ معاشرے کی ہو بہو تصویر کشی کرتا ہے اور اسے بدلنے کی آرزو بھی''(۵)

عارف عبدالمتین نے شاعرانہ منشور ''انجمن ترقی پسند مصنفین'' اور حلقہ اربابِ ذوق سے حاصل کیا ہے۔وہ پرولتاری طبقے کے لیے دولت کی مساویانہ تقسیم اور اس کی آزادی کے علم بردار شاعر ہیں،وہ اشتراکی نظام کے حامی ہیں اور معاشرتی استحصال کے خلاف مزاحمت کرتے ہیں۔ انھوں نے استعماری صورتِ حال کو رد کرنے کی فکر کے ساتھ ساتھ سامراجی بورژوا طبقے اور اس کے گماشتوں پر اپنے کلام میں کاری ضرب لگائی ہے۔ عارف عبدالمتین زمین پر آباد انسانوں کی بھوک ، جہالت ،غربت اور ان کے حقوق کی پامالی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ وہ سامراج کے نافذ کیے ہوئے ،اس نظام کے خلاف صف آرائی کرتے رہے۔انھوں نے سیاسی جبر کا مشاہدہ کیا اور اپنے اس مشاہدے کو اپنے اشعار کے قلب میں یوں ڈھال دیا:

حاکمِ شہر! شہادت سے وہ بچنے کے لیے
پاس سے گزرے ہیں احباب بھی بیگانہ صفت

عارف عبدالمتین نے اپنی غزلوں میں سامراجی نظام کی کھلی مخالفت کی ہے اور وہ سامراج اور حکمران طبقے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے دکھائی دیتے ہیں،انھوں نے سامراج کے نوکر کو بھی ہدفِ تنقید بنایا ہے، اس ''نوکر شاہی'' کے جبر و استبداد کو مسترد کر دیا ہے۔ ان کا رویہ کبھی کسی بھی صورت میں مصلحت آمیز نہیں رہا اور وہ انسان دشمن عناصر کی نشان دہی کرتے ہیں۔اس ضمن میں اُن کا یہ شعر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔:

مصلحت کیش نہیں جن کی بصیرت عارفؔ
کب حقائق کو بیاں کرتے ہیں افسانہ صفت

میر کے اس شعر کا ایک مطلب تو مسئلہ جبر وقدر ہے اور دوسرا مطلب اس عہد کے سیاسی ماحول سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ عارف نے سیاسی جبریت کا اظہار واضح طور پر کر دیا ہے، وہ اپنے اس انداز میں میر سے متاثر نظر آتے ہیں ،یہ شعر دیکھیے:

لب اپنے مقفل ہیں خیال اپنے گرفتار
کچھ سادہ مزاج اب بھی ہمیں کہتے ہیں مختار

عارف عبدالمتین کی میؔر کے رنگ میں کہی گئی، ایک غزل کے دیگر اشعار ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں:

مغلوب ہے تن روح تو مفتوح نہیں ہے
مر جاؤں گا لیکن ، نہیں مانوں گا کبھی ہار

پازیب کی جھنکار بہت خوب ہے لیکن
کم تر نہیں زیبائی میں تلوار کی جھنکار

مقبول ہیں اشعار مرے اپنے اثر سے
عارفؔ مری شہرت نہیں منت کش دربار

اردو شاعری کے مطالعہ سے اس امر کا پتا چلتا ہے کہ ہر عہد کے شعرا نے میر وغالب کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے اور ان کے رنگِ شاعری سے اثرات بھی قبول کیے ہیں۔میؔر کے شعری شعور تک پہنچنے کی ہر شاعر نے کوشش کی ہے ،لیکن ان کا سا نہیں ہو پایا۔عارف نے بھی ایسی ہی ایک کوشش کی ہے اور اس کوشش کے نتیجے میں ان کی شاعری پر میر کا رنگ دیکھا جا سکتا ہے۔انھوں نے ترقی پسند نظریات کے تخلیقی بیانیے کے لیے مصرع سازی کا ہنر میر سے سیکھنے کی سعی کی ہےؔ۔ اس ضمن میں عارف عبدالمتین کی ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں،مگر ترقی پسند فکر کا دامن ان کی رہنمائی برابر کے چلا جاتا ہے:

چراغِ حقیقت جلا کر چلے
حجاباتِ ظلمت اٹھا کر چلے

جیئے ہم چمن میں بہ اندازِ گل
ہر اک سمت خوشبو اڑا کر چلے

جلے یوں ، سراپا ہوئے آفتاب
شبِ غم کی سطوت مٹا کر چلے

خمِ موج سے ابر بن کر اٹھے

سرِ دشت دریا بہا کر چلے

محولہ بالا اشعار میں عارف نے میؔر کا شعری اسلوب کی پیروی بھی کی ہے مگر خیالات بورژوا طبقے کے خلاف ان کے غم و غصے کی شدت کی بھی غمازی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ان اشعار میں عارف کے شعور میں میر کا شعور سرگوشی کرتے دکھائی دیتا ہے۔ان اشعار میں عارف کہتے ہیں کہ راستے کی رکاوٹیں ، اذیتیں اور صعوبتیں آخر کار اپنے انجام کو پہنچ کر ختم ہو جائیں گی۔عارف عبدالمتین کا رنگِ تغزل ملاحظہ کیجیے:

اے خزاں زدہ پتے ، تجھ کو کچھ پتا ہو گا

کارواں بہاروں کا کس طرح لٹا ہو گا

کیسے نرم جاں سبزہ ، خاک میں ملا ہو گا

خشمگیں بگولوں نے ، رقص جب کیا ہو گا

کس کے بال و پر جل کر راکھ ہوئے ہوں گے

شاخِ گل کے پہلو سے شعلہ جب اُٹھا ہو گا

جب ہوائے زہر آگیں ، ہونکتی چلی ہو گی

کیسے لالہ زاروں نے خوں اگل دیا ہو گا

کیسے ہونٹ غنچوں کے سی دیے ہوں گے

کیوں ترانہء گلشن بے صدا ہوا ہو گا

عارف عبدالمتین کی پرولتاری طبقے کو خزاں دیدہ پتے کی مانند محسوس کرتے ہیں اور اس سے اس کے لٹنے کے حوالے اصرار و استفراز کرتے ہیں اور خود کلامی کی سی کیفیت ان کے در آتی ہے مگر وہ حالات سے مایوس نہیں ہوتے بل کہ حالات کو بدلنے کے ایقان پر قائم رہتے ہیں ،مزید یہ کہ صبحِ بہار پر اُن کا یقین قائم و دائم رہتا ہے،انھیں اس کا کامل یقین ہے کہ تاریکی کی تلچھٹ تک باقی نہ رہے گی،وہ کسی بھی صورت میں مید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ان کے کلام میں ہلکی ہلکی کسک کے ساتھ رجائیت کی کیفیت کے آثار کبھی معدوم نہیں ہوتے ۔ ان کا یہ رنگِ تغزل ان کی شاعرانہ ہنرمندی اور ان کی فطری چہکار پر دلالت کرتا ہے جو ان کی فطری حساسیت کا زائیدہ و پروردہ ہے۔ ان کے یہاں داخلیت کے

عناصر خارجی زندگی کے حقائق کے آہنگ سے تعبیر وعبارت ہیں۔ عارف عبدالمتین کی شاعری میں خارجی زندگی کے مسائل ومصائب ان کی حساسیت کے آئینہ دار ہیں ۔ان کا میلانِ طبع عصری آشوب،انسانی بے چارگی کے الم ناک پہلوؤں سے اپنی شاعری کا خمیر کشید کرتا ہے۔ انسانی دُکھوں کا المیہ ان کی شاعری میں گداز اور تغزل کی شدت کو تیز تر کردیتا ہے۔ ان کی غزل کے جمالیاتی محاسن،غنائی دل کشی ،پیکر تراشی ،ان کی ذات کی اداسی ،ملال ،حزن وغم نا کی داخلی نہیں بل کہ خارج کی زائیدہ و پروردہ ہے عارف عبدالمتین کا دل اپنے طبقے کے لوگوں کے ساتھ دھڑکتا ہے ،ان کو سماج کی ناانصافیوں کا ملال ہے،ان کا غم ذاتی نوعیت سے زیادہ خارجی نوعیت ہے اور طبقاتی سماج کی جکڑ بندیوں کے جن مختلف رنگوں اور پہلوؤں سے تعبیر وعبارت ہے،اس ضمن میں کامل القادری ،عارف عبدالمتین کے رنگِ سخن کا تجزیہ اس انداز سے کرتے ہیں:

> ”عارف دل گداختہ رکھتا ہے۔اس کی غزل میں نہ صرف حسنِ بیان ،غنائیت اور ارتسامی (Impressionistic) کیفیات ہیں بلکہ عصری میلانات اور دستِ گل رخاں کی خراشیں بھی ہیں ،بے بسی ،بے چارگی اور کسمپرسی کی کیفیتیں عزم وحوصلہ اور خرد فروزی کے باوجود اس کے طرزِ احساس کا جزو لاینفک ہیں وہ حزیں اور اداس طبیعت کا مالک ہے لیکن یہ اداسی ،یہ حزن،یہ درد وکسک فانی یا میر سے مختلف ہے یہ اس کے اس شعور کا عطیہ ہے کہ منزل مراد نہ پا سکے لہٰذا حسرت ایک ترساں ترساں کیفیت میں ڈھل گئی ہے ۔ اس کا دکھ معاشرے کی ناہمواری اور طبقاتی سماج کے کوکھ سے جنم لیتا ہے۔ کچھ انفرادی اور احوال وظراف کی بھی دین ہوگا لیکن مجموعی طور پر اہلِ محفل کا غم ہی غزل کے سانچے میں ڈھلتا ہے“ (٦)

ان کی داخلی کیفیت ایک عجیب کیفیت کا نام ہے عارف عبدالمتین ایک سائنسی سریت کے شاعر ہیں ،وہ ایک ترقی پسند اور اپنے طبقے کے لوگوں کے لیے دردِ دل رکھنے والے شاعر ہیں،وہ اپنے عہد کی غیر مساویانہ دولت کی تقسیم پرپُر ملال ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کی سیاسی صورتِ حال سے بھی پوری طرح واقف ہیں،وہ نظام کی تاریکی پر بھی تخلیقی انداز میں دکھ کا اظہار کرتے ہیں اور عہد کی تیرگی پر سوال اُٹھاتے ہیں اور اپنے معروض کے مکروہات کا تخلیقی پیرائے میں اظہار کرتے ہیں۔ اس سیاق وتناظر میں ان کے یہ اشعار دیکھے جا سکتے ہیں:

بے اُجالا اس قدر سورج کبھی نکلا نہ تھا
یوں تو شب کو بھی اندھیرا تھا ،مگر اتنا نہ تھا

سچ ہے پہلے بھی ستم طوفاں کے ہم سہتے رہے
اِس طرح پانی مگر سر سے کبھی گزرا نہ تھا

عارف عبدالمتین کی شاعری خارجی زندگی اور خارجی صورتِ حال کے مختلف پہلوؤں اور متنوع رنگوں سے عبارت ہے ۔انھوں نے عام آدمی کے مصائب و مسائل اور پرولتاری طبقے کی سماجی زندگی اور سماجی صورتِ حال کو اپنی غزل کا موضوع بنایا ہے،اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کے محکوم ومجبور،اقتصادی سطح پر پسماندہ، دکھوں اور کرب میں مبتلا افراد کی

نوحہ خوانی کی ہے۔ اُن کی شاعری کہیں کہیں احتجاجی روپ دھار لیتی ہے۔عارف عبدالمتین کی شاعری میں رومانوی رنگ بھی جلوہ پیرا ہے ،ان کی غزل میں عشق ومحبت کی باتیں بھی ملتی ہیں ۔جن کا تعلق اُردو غزل کی روایت سے بہت گہرا ہے، لیکن وہ روایت میں جدت کے خواہاں ہیں ۔ اُن کی شاعری ندرت کے متنوع پہلوؤں کی غماز ہے ۔ ڈاکٹر انور سدید نے عارف عبدالمتین کی غزل پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

''عارف کی غزل جس کھلی فضا میں سفر کرتی ہے، اس کا ایک بدیہی نتیجہ یہ ہے کہ اس کے ہاں صحرا اور سمندر کی علامتیں وسعت، پھیلاؤ اور کشادگی کی مظہر ہے''(۷)

عارف عبدالمتین سامراج کی طرف سے آنے والی کلفتوں سے دل برداشتہ نہیں ہوتے اور نہ حادثوں سے خوف زدہ ہوتے ہیں اور نہ ہی کسی خوف کسی قسم کے خوف میں مبتلا ہوتے دکھائی دیتے ہیں،وہ اپنی فکر کو اپنے لیے خوش کن خیال کرتے ہیں ان کے یہاں سامراج بورژوا سے ڈر خوف کی کیفیت سے مزید حوصلے کی آثار پیدا ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ،جبر کی قوتیں ان کے پائے استقلال میں ذرا بھی لرزش پیدا کرتی ہوئی محسوس نہیں ہوتیں،ان کی غزلیں فکری وفنی حوالے سے مستحکم تو ہیں مگر ترقی پسندانہ نظریات ان کا نہایت مضبوط حوالہ ہیں،اس حوالے سے ان کے یہ اشعار توجہ طلب ہیں:

اے سفینۂ ہستی کھول بادباں اپنا
چل پڑی ہوا اب تو ، جس ہے گماں اپنا

حادثے میری پریشانی کا باعث کیوں ہوں
ان کی یلغار سے بگڑا میں، تو سنور جاؤں گا

دورِ جدید کے شعرا میں ظہیر کاشمیری اور عارف عبدالمتین کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے ،انھوں نے اپنے انفرادی اسلوب کی وجہ سے ایک نمایاں مقام حاصل کیا ۔ انھوں نے غزل کو ایک وقار عطا کیا اور اسے داخلی اور خارجی جذبوں کا پیکر بنا کر پیش کیا۔عارف عبدالمتین کی نگاہِ دُوران کے عصری سیاسی وسماجی شعور کی غمازی کرتی ہے،سقوطِ ڈھاکہ کے سیاق وتناظر پر بھی ان کی گہری نظر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ انسان کو انسان کے مارنے کا دُکھ بھی ان کی غزل کے مختلف اشعار کا موضوع بنتا دکھائی دیتا ہے،جس پر ان کا گہرا رنج اور ملال ہے۔ انسان کی ترقی ہی اس کی تباہی کا سبب بھی بنتی ہے ،اس کا بھی انھیں شدت سے احساس ہے۔اس ضمن میں ان کے درج ذیل اشعار دلیل کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں:

میرا بازو کٹ گیا عارفؔ مری تلوار سے
یہ وہ منظر ہے جسے تاریخ کم دکھلائے گی

میں اپنے خون میں نہاتا رہا سدا عارف
یہ کائنات ملی مجھ کو کربلا کی طرح

میری عظمت کا نشاں ، میری تباہی کی دلیل
میں نے حالات کے سانچے میں ڈھالا خود کو

عارف عبدالمتین نے سقوطِ مشرقی پاکستان یعنی قیامِ ملک کے تھوڑے ہی عرصے بعد ایک بازو کے کٹ جانے کا اظہار ایمائی پیکر تراشی کے ذریعے کیا ہے۔انھوں نے انقلابی شاعری کی ہے اور ان کی شاعری کے کئی پہلو ہیں ،انھوں نے اشتراکی اور سیاسی رویوں سے اپنا شعری اسلوب تشکیل دیا ہے۔عارف عبدالمتین نے جب شاعری کا آغاز کیا تو ترقی پسند تحریک اپنے پاؤں جما چکی تھی اور ترقی پسند شعرا نے غزل کو اس کام کے لیے غیر مناسب خیال نہیں کیا،زیادہ تر ترقی پسند شعرا نے اپنے افکار ونظریات کے تخلیقی بیانیہ کے لیے نظم کو اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے موزوں خیال کیا یہی وجہ ہے کہ اس دور میں نظم کو بڑی حد تک نہ صرف فروغ حاصل ہو بل کہ پذیرائی بھی ملی اور نئے نئے موضوعات سے نظم کے کینوس کو وسعت ملی مگر عارف عبدالمتین نے نظم نگاری کے ساتھ ساتھ غزل گوئی میں بھی اہم مقام حاصل کیا، ان کی غزلوں کا استعاراتی کا نظام مضبوط وتوانا ہے،عارف عبدالمتین کی غزل پر ڈاکٹر انور سدید تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عارف کی غزل نے اس کے فلسفہ فکر ، فلسفہءفن اور فلسفہ زندگی کے زندگی کے تمام راز ہائے گراں مایہ جو اس کے بطون میں پوشیدہ تھے بنات النعش گردوں کی طرح مجھ پر عریاں کر دیے اور اب مجھ پر ایک نیا جہانِ معنی آشکار ہونے لگا'' (۸)

اُردو غزل میں عام طور پر زندگی سے گریز اور فطرت سے کنارہ کشی اختیار کی جاتی ہے ،لیکن عارف عبدالمتین کی غزل میں روایتی غزل کا سا انداز نہیں، انھوں نے دوسرے ترقی پسند شعرا کی طرح اپنی غزلوں میں زندگی اور فطرت کے عمومی تقاضوں کو شامل کیا ہے۔ یہی ان کی غزلوں کا طرۂ امتیاز ہے۔عارف کی شاعری محبت کی شاعری ہے ،وہ انسان کو آپس میں محبت اور یگانگت سے رہتے ہوئے دیکھنے کے خوہاںؔ ہیں۔ اُن کی غزل میں صلیب کا استعارہ جا بجا مختلف صورتوں میں استعمال ہوا ہے۔انھوں نے اپنے درد وکرب کو اجتماعی رنگ میں پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ عارف عبدالمتین کی غزل میں جذبوں کی وسعت بے حد نمایاں ہے ،اس حوالے سے ان کے یہ اشعار ملاحظہ توجہ طلب ہیں:

بانٹ جی بھر کے اسے دہر کے محروموں میں
پیار دولت تو نہیں ہے کہ جو گھٹ جائے گا

مہک اُٹھے گی فضا میرے تن کی خوشبو سے
میں عود ہوں کبھی آ کر کوئی جلائے مجھے

چراغ ہوں تو فقط طاق کیوں مقدر ہو
کوئی زمانے کے دریا میں بھی بہائے مجھے

اپنے بچوں کی طرف غور سے جب بھی دیکھا
کتنے ہی رنگوں میں بکھرا ہوا پایا خود کو

اے دوست تری آنکھ جو نم ہے تو مجھے کیا
میں خود ہنسوں گا ، تجھے غم ہے تو مجھے کیا

کیا میں نے کہا تھا کہ زمانے سے بھلا کر
اب تو بھی سزاوارِ ستم ہے تو مجھے کیا

بھولا تو نہ ہو گا تجھے سقراط کا انجام
ہاتھوں میں ترے ساغرِ سم ہے تو مجھے کیا

عارف عبدالمتین کی زندگی کئی طرح سے کرب سے دوچار ہوئی ،ایک انھیں تقسیم کا دکھ تھا تو دوسرے انھیں زمانے کی بےحسی اور ملک میں طبقاتی نظام کا غم لاحق تھا۔ وہ سب انسانوں کے دکھ کو بھی اپنا دکھ ہی سمجھتے تھے۔ عارف نے اپنا یہ دکھ ملائمت اور آواز کی نرمی کے ساتھ اپنے شعروں کی صورت بیان کر دیا۔ انھوں نے اپنے نرم کومل اور دھیمے لہجے میں ہر وہ بات کہہ دی ہے جو ان کے دل و دماغ میں تھی اور اس کام کے لیے انھوں نے تلخ اور ترش لہجہ اختیار نہیں کیا ۔عارف عبدالمتین کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کا شمار ترقی پسند غزل کے اولین شعرا میں ہوتا ہے۔اس سلسلے میں سرور ارمان رقم طراز ہیں:

”عارف صاحب کی غزل میں جمال آفرینی اور جدت پسندی اپنی تمام رعنائیوں اور رفعتوں کے ساتھ موجود ہے۔ وہ غزل کو روایتی اور جمالیاتی قدروں کی نگہبانی کرتے ہوئے سماج کے سائنسی بنیادوں پر ارتقا اور جدید رجحانات کو تسلیم کرتے ہوئے، اس کی عمارت کی تعمیر کرتے ہیں اور اپنی غزل کو نہ تو نعرہ بازی بناتے ہیں اور نہ ہی اسے محض تصوراتی اور ماورائی جہان میں محصور رکھتے ہیں“ (۹)

عارف عبدالمتین کا مکتبِ فکر حقیقت پسند اور اشترا کی ہے۔ وہ محض جمالیاتی قدروں کی عکاسی ہی پر نہیں رکھتے بل کہ حقیقت پسندی ہی ان کی فکری صورتِ حال اظہار کا جزوِ لاینفک ہے،یہی رنگ ان کی شاعری کی بنیادی پہچان ہے جو ان کی شاعری کی موزیک کو تشکیل دیتا ہے۔ ان کی غزلوں میں انسانی زندگی کا داخلی کرب،مسائل و مصائب،آلامِ زمانہ جو

بسا اوقات خارجی پیکروں سے تعبیر وعبارت ہوتا ہے،اس کے ساتھ ساتھ مقصدیت اور شعریت کے بھر پور نمونے ملتے ہیں۔ ترقی پسند نظریے کے حامی شعرا کے ہاں ادب اور زندگی ایک ہی ہے۔ وہ زندگی کے بغیر کے ادب کا تصور نہیں کرتے ۔ وہ ادب کو محض تفریح کا ذریعہ نہیں سمجھتے بل کہ ادب کو زندگی کے مسائل ومصائب اور آلامِ دنیا کے حل کا ایک طاقت ور ذریعہ تصور کرتے ہیں کہ ادب کے ذریعے سماج میں عام آدمی کے شعور کو اُجاگر کیا جا سکتا ہے ۔ترقی پسند نظریے کے حامی ادیبوں نے مزدور کو معاشرے کا ہیرو بنا کر دکھایا ہے اور اس کے ساتھ محبت کا اظہار والہانہ انداز میں کیا ہے۔ انھوں نے اپنی الگ پہچان کے لیے اپنے آپ کو مزدور طبقے کا نمایندہ بنایا ہے۔ان کی ساری وفاداریاں پسماندہ،مفلس،اقتصادی محرومیوں کا شکار غریب ، مظلوم ،مزدور طبقے کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ان کے شاعرانہ مزاج کے حوالے سے ڈاکٹر انور سدید ''اردو ادب کی تحریکیں'' میں لکھتے ہیں:

''عارف عبدالمتین کا شمار ان ترقی پسند شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے غریبی اور غیور مزاجی کا اعلان کیے بغیر ترقی پسند نظریات پر غیر متزلزل اعتماد کا اظہار کیا۔ عارف کی شاعری معنوی طور پر ایک مخصوص آئیڈیل کی تلاش سے تعبیر ہوتی ہے اور ان کے ہاں رجائیت کا خوش آئند پہلو نمایاں ہے'' (۱۰)

پروفیسر عارف عبدالمتین ارتقا کے عمل کے نتیجے میں سماجی تبدیلی پر یقین رکھنے والے شاعر ہیں جو معاشرتی حقیقت پسندی کے قائل ہیں وہ ایسی حقیقت نگاری کو پسند کرتے ہیں جس میں اشتراکیت کا پہلو بھی موجود ہو، جہاں پرولتاری طبقہ غربت کی چکی میں پس نہ رہا ہو،وہ طبقاتی نظام کے خلاف مضبوط فکر کے شاعر ہیں۔ان کی غزلوں میں فلسفہ اشتراکیت کی مثالیں بہ کثرت دیکھنے کو ملتی ہیں:

حاکم کی نگاہوں میں خطا کار نہیں ہیں
منصور کے منصب کے طلب گار نہیں ہیں

مشکوک ہے ان لوگوں کے کردار کی عظمت
اس دور میں جو لوگ سرِ دار نہیں ہیں

بجا کہ زیست ہے پیہم مفاہمت لیکن
یہ لفظ وہ ہے کہ میری لغت سے خارج ہے

چلی جو بادِ حوادث تو دل نے تن کے کہا
یہ شاخ ٹوٹ تو سکتی ہے جھک نہیں سکتی

عارف عبدالمتین کی شاعری میں سیاسی عدم استحکام ،سماجی مسائل اور معاشرتی ناہمواریوں کی عکاسی تخلیقی پیرائے میں

دیکھنے کوملتی ہے۔ عارف عبدالمتین کی غزل پر تبصرہ کرتے ہوئے سرور ارمان ''زربفت'' میں رقم طراز ہیں:

''عارف عبدالمتین کی شاعری ایک ایسی تحریک ہے جو نہ ٹھہراؤ اور جمود کا شکار ہوتی ہے نہ شکست خوردگی کی ندامت قبول کرتی ہے اور نہ مایوسی اور ناامیدی کی گنہگار ہوتی ہے۔ فلسفہء اشتراکیت سے غیر مشروط اور غیر متزلزل وابستگی کے باوصف اشتراکی حقیقت نگاری کے عناصر کا ان کی شاعری میں اساس کا درجہ رکھنا بعید از قیاس نہیں، ان کے پاس زندگی، ان کی رفعت و ارفعیت ، انسانوں کے مضبوط اور منصفانہ خدوخال انسانی قدروں کے تحفظ اور فروغ اور شاعری میں ان تمام عناصر کو رجائیت کے شعور کے ساتھ شامل کرنے کے حق میں ٹھوس دلائل موجود ہیں۔ اسی لیے وہ گریز اور مصلحت کو اپنی شاعری میں جگہ نہیں دیتے، ان کی فکر شعورِ ذات اور کائنات سے مالا مال ہے،اور شعورِ ذات اور شعورِ کائنات کے امتزاج کو اپنی شاعری کی اساس بنانے والا شاعر یقیناً اشتراکی حقیقت نگاری ہی کے بلند مرتبہ پر فائز ہونے کا سزاوار ہے'' (۱۱)

عارف عبدالمتین اپنی غزل میں استعاروں کا بہ کثرت استعمال کرتے ہیں۔ یہ استعارے عارف عبدالمتین کے خلاقانہ ذہن کی پیداوار ہیں مگر ترقی پسندانہ افکارونظریات سے ہی ان استعاروں کا خمیر گندھا ہوانظر آتا ہے، ان استعاروں میں ایک تحریک اور برق رفتاری کا عنصر بھی نمایاں انداز سے جلوہ پیرا ہوتا ہے۔ ان کے بیش تر استعاروں میں ترقی پسند فکر کی ترجمانی کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ عارف عبدالمتین کی شاعری کا ایک خاصا یہ ہے کہ بیسویں صدی کی اردو غزل میں ان کے منفرد رنگِ سخن کے کارن ان کا نام نمایاں نظر آتا ہے۔ان کے یہاں عصری و سماجی شعور اس تربیت کا بھی نتیجہ ہے جو انھیں اپنے اساتذہ کے طفیل نصیب ہوا۔ عارف عبدالمتین کی غزل کہیں بھی جمود اور جگالی کا شکار نظر نہیں آتی ،وہ ترقی پسندانہ افکار وتصورات کو اپنے احساس کی چھلنی سے گزار کر ترفع کے ساتھ اپنے مخصوص ڈھنگ میں خلق کرنے پر قدرت رکھتے ہیں ،یہی وہ وصفِ خاص ہے جو انھیں انفرادی انداز عطا کرتا ہے ،وہ متنوع جہات و موضوعات کے شاعر ہیں ،اس حوالے سے ان کے درج ذیل اشعار دیکھے جا سکتے ہیں:

بہت کٹھن ہے گھنے جنگلوں میں میرا سفر
کراہتا ہوں درختوں میں میں ہوا کی طرح

سرحدِ نظر کیا ہے منزلِ سفر کیا ہے
ساتھ لے کے نکلے ہیں ، ہم تو آسماں اپنا

عارف عبدالمتین اپنی شاعری میں کھلی فضاؤں اور روشنیوں کو متعارف کرواتے ہیں ،یہی وجہ ہے کہ ان کی غزل مسلسل سفر کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ ان کے اشعار سفر کرتے دکھائی دیتے ہیں ۔ لفظ خدوخال نکال لیتے ہیں، بولنے لگتے ہیں ،باتیں کرنے لگتے ہیں، عارف کے منفرد لہجے اور صداقتِ اظہار نے انھیں نمایندہ شعرا میں لا کھڑا کیا ہے۔ عارف عبدالمتین نئی نسل کے لیے ایک درس گاہ ہیں۔ جہاں تجربات اور مشاہدات کر کے ایک نیا ادب تخلیق کیا جا سکتا ہے۔

ان کی شاعری میں تحرک کے عناصر سے اس لیے عبارت ہے کہ وہ بنیادی طور پر زندگی کی حرکیات پر یقین رکھتے ہیں ۔ اسی لیے انھوں نے ترقی پسند ادبی تحریک کا نہ صرف اپنے لیے انتخاب کیا بل کہ مذکورہ ادبی تحریک میں بھر پور حصہ بھی لیا۔

اشتراکی ادیبوں نے اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے گھٹن زدہ کلیت پسندی اور جبریت کے خلاف نئی علامتوں کا بھر پور استعمال کیا ہے ۔ اس علامت نگاری کی وجہ سے اردو کو ایک نیا طرزِ احساس نصیب ہوا، جو درحقیقت ترقی پسند طرزِ فکر کی ہی دین ہے۔ عارف عبدالمتین کی شاعری میں ترقی پسندانہ علائم و رموز کا بھر پور تخلیقی استعمال دیکھنے کو ملتا ہے۔ انھوں نے اپنے آدرش اور ادعا کے تخلیقی اظہار کے لیے علامتوں کا نئے سلیقے اور قرینے سے استعمال کیا ہے۔ وہ ادب کے متحرک کرداری پہلوؤں اور لحظہ بہ لحظہ بدلتی ہوئی زندگی میں پرولتاری طبقے کی پہلے سے بہتر زندگی کی حرکیات پر یقین رکھنے والے رجائیت پسند شاعر ہیں جو معاصر عالمی آشوب کی بورژوا طاقتوں کے خلاف توانا شعور وفکر کے داعی ہونے کے ساتھ ساتھ طبقاتی نظام کے خلاف اپنی شاعری میں اپنے مافی الضمیر کا بھر پور تخلیقیت کے ساتھ اظہار کرتے ہیں ، ان کے نزدیک موضوع کی اپج، ہیئت کے تجربات کا تقاضا ضرور کرتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاعر کو موضوع اور فنی اعتبار سے ترقی پسند ہونا چاہیے، اس ضمن میں عارف عبدالمتین کے یہ اشعار ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں:

نہ میرے پاس زر و سیم تھے نہ مسندِ خاص
تجھے بھلا مری عظمت کا علم کیا ہوتا

سج گئیں میری کتابیں ہر دکان کے شیلف میں
اور عارف میرے بچے گھر میں بھوکے سو گئے

جب سرِ دار کوئی کھینچتا ہے
لوگ عارف کو یاد کرتے ہیں

ہشیار تھے سب ، دام میں آئے نہ ہم آواز
تھی رفتگی سی مجھ کو گرفتار ہوا میں

عارف عبدالمتین اپنے ذاتی اور ملکی نامساعد حالات کا سامنا کرتے ہیں مگر وہ طبقۂ اشرافیہ سے کسی بھی قسم کا سمجھوتہ نہیں کرتے ،وہ اس معاملے میں کسی مصلحت کا شکار بھی نہیں ہوتے۔ ان کی شاعری سے ان کا عہد پوری طرح جھلکتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ وہ سچائی کا پرچم بلند کیے ہوئے ہیں ۔ بسا اوقات ان کی آواز نظام کی جبریت کے خلاف شدید تر صورت بھی اختیار کر لیتی ہے۔ انھوں نے نامساعد حالات کا سامنا دلجمی کے ساتھ کیا ہے۔اس حوالے سے سرور ارمان رقم لکھتے ہیں:

’’ عارف عبدالمتین کی غزل کی خوبی ہے کہ جب وہ غزل کہتے ہیں تو پھر غزل ہی کہتے ہیں ۔نہ کہیں احتجاج

کا پرچم اٹھاتے ہوئے زندہ باد اور مردہ باد کے فلک شگاف نعرے لگاتے ہیں اور نہ کبھی اسیرِ تر وتازگیءلب و رخسار ہو کر بے منزل سرشاری و سرمستی کی راہوں پر چل نکلتے ہیں۔ وہ لطیف جذبوں کا اظہار بھی باوقار اور آبرومندانہ انداز میں کرتے ہیں وہ شعریت کے حسن اور فن کی توقیر کو ساتھ ساتھ لے کر چلتے ہیں'' (۱۲)

عارف عبدالمتین نے اردو غزل کو ایک معیار عطا کیا ہے۔ انھوں نے شاعری کو بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لیے نہایت اہم ذریعہ خیال کیا ہے۔ ترقی پسند ادیبوں نے جس اشتراکی سماج کا خواب دیکھا تھا، عارف عبدالمتین نے اپنی شاعری کے ذریعے اس خواب کو تعبیر کا پیراہن عطا کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ انسانی دیا کو روشن تر دیکھنے کے آرزومند ہیں، اسی لیے کدوکاوش پر ان کا یقین پختہ تر ہے:

ہنستے ہوئے جینے کی تمنا میں مری ہے
وہ شمع کہ رستے میں ہواؤں کے جلی ہے

میں اپنے خون میں نہاتا رہا سدا عارف
یہ کائنات ملی مجھ کو کربلا کی طرح

میری عظمت کا نشاں ، میری تباہی کی دلیل
میں نے حالات کے سانچے میں نہ ڈھالا خود کو

میرا بازو کٹ گیا عارف مری تلوار سے
یہ وہ منظر ہے جسے تاریخ کم دکھلائے گی

عارف عبدالمتین کی غزل میں شعورِ زندگی ملتا ہے، ان کی صدا دراصل سماجی حقیقت کا اظہار ہے، جسے انھوں نے شعری رنگ میں پیش کیا ہے۔ وہ اپنے گردوپیش کے حالات سے بے خبر نہیں بل کہ زمانے کے حالات سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ وہ کہیں بھی کسی مقام پر مایوسی کا شکار نظر نہیں آتے بل کہ ان کی رجائیت ایک عزم اور ولولہ پیدا کرتی ہے۔ انھوں نے اپنے ردِعمل کا اظہار یوں کیا ہے:

جنگل ہے شہر اور شکاری ہیں ہر طرف
آیا ہوں گھر میں صورتِ آہو ڈرا ہوا

شہر کے زنداں نے پہنا دیں وہ زنجیریں مجھے
میری وحشت کو میسر دل کا صحرا بھی نہیں

مانا کہ ہر اک گام پر اندیشہء جاں ہے
ہٹنا نہیں سیکھا ہے مگر اپنی ڈگر سے

غم نہ کر عارف اگر ہے بند ساحل کی ہَوا
بادباں کو کھول ، کشتی کو کھلے پانی میں لا

عارف عبدالمتین نے سماج کو اساس اور اہم اکائی تصور کیا ہے اور اس پر کئی ایک عمدہ غزلیں کہی ہیں۔ انھوں نے اُردو غزل کو نئے فکری زاویے سے روشناس کروایا ہے ۔ عارف عبدالمتین نے اپنے منفرد اسلوب اور توانا لہجے اور بے باک اندازِ سخن سے اُردو غزل کو ایک نئی جہت سے ہم کنار کیا ہے۔ اردو شاعری کا زیادہ تر حصہ روایتی ہے، اس میں فارسی شاعری کی تقلیدِ عام نظر آتی ہے مگر عارف عبدالمتین نے روایتی غزل سے انحراف کی صورت اختیار کی ہے ،وہ روایت میں ترقی پسند نظریات کے قائل ہیں ، انھوں نے روایت میں وسعت پیدا کر کے اس کی محدود حدوں کو پھیلانے میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا ہے ،اس حوالے سے ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی ''مفیض'' میں لکھتے ہیں:

''عارف عبدالمتین ایک نظریاتی شاعر ہیں ۔ ان کا رجحان زیادہ تر انقلاب اور اشتراکیت کی طرف ہے لیکن ان کے ہاں عام انقلابیوں کی طرح گھن گرج نہیں ہے۔ اشتراکیت سے کمٹ منٹ کے طور پر ان کی شاعری کا بہت سا حصہ نظریات کے فروغ اور تبلیغ پر مبنی ہے''(۱۳)

عارف عبدالمتین کی غزل میں طبقہء اشرافیہ کے خلاف صدائے احتجاج کی گونج اور بازگشت، تخلیقیت اور شاعرانہ ہنرمندی کے ساتھ ابھرتی ہے مگر کہیں بھی نعرہ نہیں بنتی، اپنی فنی خوبیوں سے منصہء شہود پر پھیلتی جاتی ہے ،ان کی غزل میں سیاسی و سماجی رنگ فکری و فنی بالیدگی کے ساتھ نمایاں ہو کر منظرِ عام پر آتا ہے، عارف عبدالمتین ترقی پسند شاعری کے اربابِ اربعہ(فیض، ندیم، ظہیر، عارف) میں شمار ہوتے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ سہ ماہی ،مفیض (عارف عبدالمتین نمبر)، گوجرانوالہ۱۹۹۳ء، ص۱۶
۲۔ عارف عبدالمتین ،سفر کی عطا،(لاہور:ٹیکنیکل پبلشرز،۱۹۸۷ء)
۳۔ عارف عبدالمتین ،امکانات،(لاہور:ٹیکنیکل پبلشرز،۱۹۸۸ء)
۴۔ سہ ماہی ،مفیض (عارف عبدالمتین نمبر)، گوجرانوالہ۱۹۹۳ء، ص۱۸۹
۵۔ سہ ماہی ،مفیض (عارف عبدالمتین نمبر)، گوجرانوالہ۱۹۹۳ء، ص۲۳۹
۶۔ سہ ماہی ،مفیض (عارف عبدالمتین نمبر)، گوجرانوالہ۱۹۹۳ء، ص۲۴۴
۷۔ سہ ماہی ،مفیض (عارف عبدالمتین نمبر)، گوجرانوالہ۱۹۹۳ء، ص۱۰۵
۸۔ سہ ماہی ،مفیض (عارف عبدالمتین نمبر)، گوجرانوالہ۱۹۹۳ء، ص۹۰

۹۔ ادبی سلسہ،زربفت،نارووال،س ن،ص۱۲

۱۰۔ انور سدید،ڈاکٹر،اردو ادب کی تحریکیں،(کراچی :انجمن ترقی اردو،۱۹۸۵ء)،ص۵۱۸

۱۱۔ ادبی سلسہ،زربفت،نارووال،س ن،ص۱۲

۱۲۔ ادبی سلسہ،زربفت،نارووال،س ن،ص۱۲

۱۳۔ سہ ماہی ،مفیض (عارف عبدالمتین نمبر)،گوجرانوالہ،۱۹۹۳ء،ص۱۱۷